# وعدۂ استخلاف: حیثیت اور تقاضے

## تفسیری ادب کا تحقیقی مطالعہ

شبیر احمد منصوری*

گل زادہ شیر پاؤ**

**ABSTRACT:**

*Man is the Caliph of God on earth, and has been bestowed the potential of the earth Caliphate. Those who meet the requirements of this rule are the driving force on the earth and have been blessed with a position of leadership.*

*The attributes needed to lead the world have two categories' one is the basic human qualities and the other attributes that are required in Islam.*

*The Principle of God for the Caliphate of earth is to get a nation as a whole the required attributes for that Caliphate, over other nations. With such people in the land of God promised to give the caliphate.*

*In this article discussed that promise of Caliphate in the light of explanatory literature, and described that Muslim Umma has been rise to lead the world, but at this time they have not the attributes to lead the world. So if they want to take that position, they should possess the potential of leading the world, then it will be possible to take the Caliphate of the earth, according to the laws of God.*

## تمہید

انسان روزِ اوّل سے اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی فرشتوں سے فرمایا تھا: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (۱) ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ اس وقت فرشتوں نے کہا تھا: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (۲) ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خوں ریزیاں کرے گا؟

* ڈاکٹر، پروفیسر (ر) مسند سیرت، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب۔ ڈائریکٹر، اصلاح انٹرنیشنل، وحدت روڈ لاہور

برقی پتا: islah.edu.pk@gmail.com

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب۔ ریسرچ ایسوسی ایٹ ادارہ معارف اسلامی، لاہور

برقی پتا: gulzada100@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ..................

آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں'' ۔مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۳) ''میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے ۔''

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ میں صاحب علم ہوں اور زمین کی خلافت کے لیے بھی کسی صاحب علم وصلاحیت مخلوق کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوا: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا (۴) ''اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے'' ۔ پھر فرشتوں پر یہ بات واضح کرنے کے لیے کہ اس نے ایک نئی مخلوق کیوں پیدا کرنا چاہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ (۵) ''اگر تمھارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ'' ۔انھوں نے کہا: سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ط إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. (۶) ''نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے،ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں دے دیا ہے۔حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں ۔''

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے ۔دوسری بات یہ کہ اس خلافت کے لیے کچھ صفات کا ہونا ضروری ہے، جن میں سب سے اہم اور بنیادی صفت یہ ہے کہ خلافت کا بار اٹھانے کے لیے جو علم درکار ہے خلیفہ کو اس علم سے آگاہ ہونا چاہیے۔اسی طرح خلیفہ کے لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ علم کے علاوہ دوسری جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی کافی مقدار میں اس کے اندر موجود ہوں ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا صحیح خلیفہ نہیں بن سکے گا اور اللہ کی زمین میں بگاڑ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ (علم اشیاء جب تک علم انبیاء کی رہنمائی میں رہے گا،انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوگا،علمِ وحی سے بغاوت کر کے انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا۔جیسا کہ ہیروشیما میں ہوا۔مدیر)

یہی وجہ ہے کہ اس خلافت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ سے کیا ہے جو اِن اہلیتوں پر پورا اترتا ہو۔ان اہلیتوں میں سب سے اہم صفت، جیسا کہ ذکر ہوا،علم ہے اور اسلام کی نظر میں علم وہ معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بن جائے ۔جن لوگوں کے پاس معرفت رب کا علم نہیں ہوتا وہ خواہ معلومات کا کتنا ہی ذخیرہ اپنے دماغ میں اتار دیں ان کا شمار علما میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں خشیت الٰہی کے حوالے سے مذکور ہے کہ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۷) ''یقیناً اللہ کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے وہی ہیں جو علم رکھتے ہوں۔'' (علم سے مراد اشیاء یعنی Physical Social Science اور علمِ انبیاء یعنی علمِ وحی قرآن وسنتِ رسول اللہ کا علم مراد ہے۔ان دونوں علوم کی وضاحت ہمارے قدیم وجدید علماء اور مفسرین کر دی ہے۔مدیر)

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت ایسے ہی لوگوں کو ملنی چاہیے جو علم کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف ہوں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ ایمان والوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو خلافت سے سرفراز کیا جائے گا۔ سطورِ ذیل میں اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے بارے میں بتایا جائے گا کہ یہ وعدہ کن لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے، اس وعدے کی حیثیت کیا ہے اور اس وعدے کے پورا ہونے کی شرائط کیا کیا ہیں۔

## استخلاف کا معنی و مفہوم

استخلاف باب استفعال سے مصدر ہے اس کا اصل مادہ خلف ہے۔جس کے معنی ہیں پیچھے ہونا۔لغت کے مشہور امام لیث کہتے ہیں: **خلف ضد قدام**. (۸) یعنی خلف کا لفظ قدام (سامنے) کی ضد ہے۔ابن سیدہ کہتے ہیں: **خلف نقیض قدام**. (۹) یعنی ’خلف‘ ’قدام‘ کی نقیض ہے۔خَلَفَ یَخْلُفُ کے معنی آتے ہیں: **صار خلفه**. یعنی وہ فلاں کے پیچھے پیچھے ہولیا۔(۱۰) خَلَّفَهُ اور اَخْلَفَهُ کا مطلب ہوتا ہے: **جعلهٗ خلفهٗ**. یعنی اس کو اپنے پیچھے لگالیا۔(۱۱) اسی طرح تخلُّف کے معنی تاخُّر کے آتے ہیں۔اسی سے یہ مقولہ ہے کہ **استخلف فلانا من فلان ای جعله مکانه**. (۱۲) یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو فلاں کا خلیفہ بنایا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے اس کی جگہ رکھ دیا۔اسی مفہوم میں یہ مقولہ بھی ہے کہ **خلف فلانٌ فلاناً** یہ مقولہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس کا نائب ہو۔جیسے کہا جاتا ہے کہ **خلفهٗ فی قومهٖ خلافةً**. فلاں نے اپنی قوم میں فلاں کی نیابت کی(۱۳)۔قرآن کریم میں بھی ہے: **وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ**. (۱۴) ’’حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا: تم میری قوم میں میرے نائب بنو‘‘ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو ماقبل کا قائم مقام ہوتا ہے۔(۱۵) امام زجاج کہتے ہیں کہ ائمہ کو خلفاء اللہ فی الارض کہا جائے تو یہ جائز ہے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: **یَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ**. کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ **الخلیفة السلطان الاعظم**. (۱۶) خلیفہ سے مراد سلطان اعظم ہے۔

اس لغوی مناسبت کے لحاظ سے جب ہم انسان کے لیے خلافت ارضی پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں انسانوں کو خلیفۃ الارض یا خلائف فی الارض کہا گیا ہے ان سے مراد یہ ہے کہ انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔اور نائب کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے منوب عنہ کی ہدایات کے مطابق اس کی لگائی ہوئی ذمہ داریوں کو انھی شرائط اور ارکان کے مطابق انجام دے جو منوب عنہ نے متعین کیے ہوں۔

## صالحین کے استخلاف کی ضرورت

زمین میں اللہ تعالیٰ کی درست نیابت کے لیے ضروری ہے کہ اہل زمین میں سے وہ لوگ خلافت کے عہدے پر متمکن ہوں جو سنت اللہ کے مطابق اس کے مستحق ہوں ورنہ جیسا کہ کہا گیا ہے، زمین کا نظام بگاڑ کا شکار ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کا منشا پورا نہیں ہوگا۔’’جس طرح گاڑی ہمیشہ اس سمت میں چلا کرتی ہے جس سمت پر ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہے اور دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ و ناخواستہ اسی سمت پر سفر کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔اسی طرح تمدن کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کرتی ہے جس سمت پر وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں‘‘۔(۱۷)

’’یہ رہنما اور فرماں روا اگر خدا پرست اور صالح لوگ ہوں تو لامحالہ زندگی کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے گا، برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو نشو ونما نصیب ہوگا اور برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو کم از کم پروان بھی نہ

چڑھ سکیں گی۔لیکن اگر رہنمائی وقیادت اور فرماں روائی کا یہ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو خدا سے برگشتہ اور فسق وفجور میں سرگشتہ ہوں تو آپ سے آپ سارا نظام خدا سے بغاوت اور ظلم وبداخلاقی پر چلے گا''۔(۱۸)

## آیتِ استخلاف پر ایک نظر

اس سلسلے میں قرآن کی اہم ترین آیت یہ ہے:

وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِي لَايُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (۱۹) اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

## تفسیری نکات

**وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات:** یہ خطاب رسول اللہؐ اور آپؐ کی امت سے ہے۔

**لیستخلفنّھم فی الارض:** یعنی ان کو ضرور بالضرور خلفا اور زمین میں تصرف کرنے والے بنائے گا، جیسا کہ بادشاہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔

**کما استَخلَف:** بصیغۂ معروف۔بعض نے اسے بصیغۂ مجہول کما استُخلِف بھی پڑھا ہے۔

**الذین من قبلھم:** اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جن کو مصر اور فلسطین وغیرہ میں جابر قوموں کی جگہ خلافت عطا فرمائی گئی تھی۔(۲۰)

گویا تاریخ کے حوالے سے بتایا جارہا ہے کہ اے امت مسلمہ! تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے ہم انھیں لازماً خلافت عطا کریں گے۔جس طرح تم سے پہلوں کو عطا کی تھی۔

**وَلَیُمَکِّنَنَّ لھم دینَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لھم:** دین سے مراد دین اسلام ہے۔تمکین کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قوت اور ثبات واستحکام عطا فرمائے گا اور اسے سارے ادیان پر غالب کرے گا۔یعنی تمکین یہ ہے کہ اس دین کو زمین میں اقتدار عطا کرے گا، اس کی بنیادوں کو مضبوط کرکے اور ان کو استحکام دے کر۔

**وَلَیُبَدِّلَنَّھم من بعدِ خوفِھم اَمناً:** یعنی ان کو کفار سے خوف کھانے کی حالت سے امن وسلامتی کی حالت میں لے

جائے گا۔

**یعبدوننی لایشرکون بی شیئا** :اس کا مقصد ہے وعدۂ استخلاف کو توحید پر استقامت سے مقید کرنا اور امن واستخلاف کے تقاضوں کو بیان کرنا۔(۲۱)

یعنی یہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور خلافت عطا فرمائے گا۔

**الارض** کے مفہوم میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد مکہ ہے۔کیوں کہ مہاجرین نے ان سے اسی کا مطالبہ کیا تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا جو پورا ہو چکا۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب وعجم کی زمین ہے۔ابن عربی کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔کیوں کہ مکہ کی زمین مہاجرین کے لیے ممنوع تھی۔آپؐ نے فرمایا کہ مناسک حج کے بعد مہاجرین تین دن تک مکہ میں ٹھیر سکتے ہیں۔(۲۲)

## آیت کا شانِ نزول

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ تقریباً دس سال مکہ میں اس طرح رہے کہ وہ خفیہ طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے، (مقالہ نگار کی ضمنی باتوں سے عموماً ادارے کے اتفاق واختلاف کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے۔وہیں مدیر کوئی نوٹ لکھتا ہے جہاں کوئی اہم بات زیر بحث ہو جس کے بارے میں ادارہ اپنی رائے ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔مدیر) اس وقت وہ بڑے خوف زدہ رہتے تھے۔انھیں جہاد کا حکم نہیں ملا تھا۔پھر انھیں ہجرت مدینہ کا حکم ملا۔وہ مدینہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جہاد کی اجازت دے دی۔یہاں بھی وہ خوف زدہ تھے۔وہ صبح وشام اسلحہ لیے پھرتے تھے۔وہ اس پر بھی جب تک اللہ نے چاہا، صبر کرتے رہے۔پھر صحابہ میں سے ایک شخص نے آپؐ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم تا ابد اسی طرح خوف زدہ رہیں گے؟ کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا جب ہم امن میں ہوں گے اور اسلحہ رکھ دیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: اب تم زیادہ صبر پر مجبور نہیں ہوگے۔تم میں سے ایک شخص ایک جم غفیر کے درمیان چادر لپیٹ کر بیٹھے گا اور ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی لوہا (یعنی اسلحہ) نہیں ہوگا۔(۲۳)

امام حاکم (نے صحیح قرار دیتے ہوئے) اور امام طبرانی نے حضرت اُبی بن کعب سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ جب مدینے آئے اور انصار نے ان کو اپنے ہاں جگہ دی تو عرب قبائل ان کی جانوں کے درپے ہو گئے۔اس طرح صحابہ دن رات مسلح رہتے تھے۔آخر کار وہ کہنے لگے: کیا کبھی ہم امن واطمینان کی زندگی بھی بسر کر سکیں گے، جب ہمیں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(۲۴)

ابن ابی حاتم نے براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: یہ آیت ہمارے حوالے سے نازل ہوئی، جب ہم شدید خوف میں مبتلا تھے۔(۲۵)

## سلطنتِ ایمانی کی بنیاد

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس آیت کی تفسیر کا عنوان اصول دولة الایمان باندھا ہے۔ وہ آیت کی لغوی اور صرفی ونحوی تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

**هذه هی اصول دولة الایمان، تنبئ عن قواعد و مبادئ اهمها الجمع بین الایمان والعمل الصالح، وثمرتها اولاً: انجاز وعد الله بالعزة والسیادة فی الارض فی الدنیا، ونصرة الاسلام علی الکفر، وتمکین هذا الدین المرضی وهو دین الاسلام فی الارض، ای تثبیته وتوطیده وتأمینه وتأمین اهله، وازالة الخوف الذی کانوا علیه؛ وثانیاً: الظفر برحمة الله فی الآخرة.** (۲۶)

یہ ریاست ایمان کے اصول ہیں۔ ان میں چند بنیادی قواعد اور مبادی کی طرف اشارہ ہے جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح ساتھ ساتھ ہوں۔ اس کا پھل اس صورت میں ملے گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا، مسلمانوں کو زمین میں عزت وسیادت عطا کرکے، اسلام کو کفر پر غالب کرکے اور اپنے پسندیدہ دین یعنی دین اسلام کو تمکین یعنی غلبہ، استحکام، قوت وطاقت عطا کرے گا، دشمنوں سے اس دین اور اس کے ماننے والوں کی حفاظت کرکے اور اس خوف کو دور کرکے جس میں یہ مبتلا تھے۔ دوسری طرف اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنی رحمت کے ساتھ کامیابی اور کامرانی سے نواز دے گا۔

## خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کی دلیل

یہاں پر ضمنی طور پر یہ مسئلہ بھی مفسرین کے ہاں زیر بحث لایا گیا ہے کہ یہ آیت خلفائے راشدین کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے۔ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں:

**وفیه الدلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة ایضاً، لان الله استخلفهم فی الارض ومکن لهم کما جاء الوعد.** (۲۷) یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ خلفائے اربعہ کی خلافت برحق ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائی اور وعدے کے مطابق ان کو زمین میں تمکین عطا فرمائی۔

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:

**الآیة اوضح علی صحة خلافة الخلفاء الراشدین رضی الله عنهم اجمعین لان المستخلفین الذین آمنوا وعملوا الصالحات هم هم.** (۲۸) یہ آیت اس معنی میں بالکل

واضح ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت درست ہے۔ کیوں کہ وہ خلفا جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا، وہی ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

**قال بعض السلف: خلافة ابی بکر وعمر رضی الله عنهما حق فی کتاب الله ثم تلا هذه الآیة.** (۲۹) سلف میں کسی نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کتاب اللہ کی رو سے حق ہے۔ پھر اس نے دلیل کے طور پر یہ آیت تلاوت کی۔

## آیت کے دوسرے نظائر

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ کبھی بنی اسرائیل کو اور کبھی مسلمانوں کو زمین میں خلافت اور اقتدار کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ. (۳۰) اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور کر دیے گئے ہیں اور انھیں پیشوا بنا دیں اور انھی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انھیں ڈر تھا۔

عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. (۳۱)
قریب ہے وہ وقت کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (۳۲) یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمھارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمھیں اچھا رزق پہنچایا۔ شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر مسلمانوں اور بنی اسرائیل کو زمین میں خلافت عطا کرنے کا ذکر ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

فِيْ مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۳) وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے، تا کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمایش کرے۔ بے شک تمھارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلاَئِفَ فِي الأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِم لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. (۳۴) پھر ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے، تا کہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ. (۳۵) کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔

## امامت و خلافت

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے بارہ اماموں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا: لایزال امر الناس ماضیا ماولیھم اثنا عشر رجلا. ''لوگوں کے معاملات اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک ان پر بارہ آدمیوں کی ولایت قائم رہے گی''۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہؐ نے کوئی بات ارشاد فرمائی جسے میں نہ سن سکا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپؐ نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا: کلھم من قریش. ''یہ سارے کے سارے قریش میں سے ہوں گے''۔(۳۶)

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ بات آپؐ نے اس دن شام کو فرمائی تھی جس دن حضرت ماعزؓ کو سنگسار کیا گیا تھا۔(۳۷)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بارہ اماموں کا ہونا ضروری ہے اور وہ سب کے سب عادل ہوں گے۔ رہے یہ ائمہ جن کا حدیث میں ذکر ہے تو یہ قریشی ہوں گے، سب حکمران بنیں گے اور سب عادل ہوں گے۔ ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی آئی ہے۔(۳۸)

## یہ ائمہ کب ہوں گے؟

''ان کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ سب مسلسل ہوں گے۔ بلکہ یہ امت میں کبھی مسلسل اور کبھی الگ الگ آئیں گے۔ ان میں سے چار تو مسلسل گزر چکے ہیں۔ یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ اس کے بعد وقفہ آیا۔ پھر ان میں سے جس کو اللہ نے چاہا خلیفہ بنایا۔ اور جو ابھی باقی ہیں وہ بھی آتے رہیں گے جن کے آنے کا وقت اللہ کے علم میں ہے۔(۳۹)

امام مہدی بھی انھی میں سے ایک ہوں گے جن کا نام اور کنیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت کے مطابق

ہوگی۔(۴۰)(اکثر گمراہ کرنے والے مذہبی لیڈروں نے قرآن وحدیث کی پیش گوئیوں کے مطابق اپنی چیزوں کے نام رکھ کر لوگوں کو بتایا کہ یہ پیش گوئی ہمارے بارے میں ہے۔جیسے قادیانیوں نے اپنے مرکز کا نام ''ربوہ'' رکھا،اور مرزا قادیانی اور مشہور شاعر متنبی نے کہا کہ لوحِ محفوظ میں میرا نام ''لا'' ہے جس کی بشارت محمد رسول اللہؐ نے دی تھی کہ ''لا نبی بعدی'میرے بعد''لا'' نبی آئے گا۔حالانکہ اس حدیث کا بالکل واضح مفہوم ہے کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔مدیر)

## استخلاف کا وعدہ: دائمی یا عارضی

اس معاملے میں علما ومفسرین کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ استخلاف کا یہ وعدہ کن لوگوں کے ساتھ تھا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ وعدہ صرف صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھا۔اس کے بعد کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں۔مگر یہ ایک کمزور موقف ہے۔علامہ ابن عربیؒ کی یہی رائے ہے۔اس کے حق میں وہ فرماتے ہیں:

> **هٰذا وعد عام فی النبوة والخلافة واقامة الدعوة وعموم الشريعة فنفذ الوعد فی كل احد بقدره وعلىٰ حاله، حتى فی المفتين والقضاة.** (۴۱) یہ ایک عام وعدہ ہے جس میں نبوت، خلافت، دعوت کی اقامت اور شریعت کا عموم سب داخل ہیں۔چناں چہ یہ وعدہ ہر شخص کے بارے میں اس کے اندازے اور اس کی حالت کے مطابق نافذ ہو چکا ہے، یہاں تک کہ مفتیوں اور قاضیوں کے بارے میں بھی۔

وہ مزید کہتے ہیں:

> **ليس للخلافة محل تنفذ فيه الموعدة الكريمة الا من تقدم من الخلفاء.** (۴۲) اب خلافت کا کوئی محل نہیں ہے جس کے بارے میں یہ وعدہ نافذ ہو سکے، سوائے گذشتہ خلفاء کے۔

مگر دوسری طرف جمہور مفسرین جن میں قدیم وجدید سب شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک دائمی وعدہ ہے۔ذیل میں ان علما ومفسرین کی آرا پیش کی جارہی ہیں جو اس وعدے کو ایک دائمی وعدہ قرار دیتے ہیں۔ہماری رائے میں یہی موقف درست ہے۔آرا کے ضمن میں اس موقف کے دلائل بھی سامنے آئیں گے۔اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ فرمارہے ہیں:

> **لَيَبْلُغَنَّ هٰذا الامرُ ما بلغ اللَّيلُ والنهارُ ولايتركُ الله بيتَ مدرٍ ولا وبرٍ الا اَدخلهُ الله هٰذا الدِّينَ بعزِّ عزيزٍ او بِذُلِّ ذليلٍ عِزًّا يُعِزُّ الله به الاسلام وذُلًّا يُذِلُّ الله به الكفرَ.** (۴۳) یہ دین ہر اس مقام تک پہنچ جائے گا جہاں رات اور دن موجود ہوں۔اللہ تعالیٰ کسی شہری یا دیہاتی آبادی کو نہیں چھوڑے گا مگر اس میں اپنے اس دین کو داخل کرے گا، اس طرح کہ

کسی کو عزت عطا فرمائے گا اور کسی کو ذلیل کرے گا۔عزت ایسی کہ اس کی وجہ سے اسلام کو عزت نصیب ہو اور ذلت ایسی کہ اس کے ساتھ کفر ذلیل ہو جائے گا۔

حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

**ما علی ظهر الارض بيت حجر و لا مدر الا ادخله الله كلمة الاسلام بعز عزيز و ذل ذليل، اما بعزهم فيجعلهم من اهلها واما بذلهم فيدينون بها.** (۴۴) روئے زمین پر نہ کوئی پتھر کا گھر رہے گا اور نہ گارے کا، مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کو داخل کرے گا۔خواہ اس سے کسی کو عزت ملے یا ذلت۔عزت اس کو ملے گی جنھیں اللہ اس [انقلاب] کا اہل بنائے گا۔اور ذلیل لوگ وہ ہوں گے جو اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس حدیث کو امام ماوردی نے ان لوگوں کے جواب میں ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں کہ زمین سے مراد مکہ ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

**وقال قوم: هٰذا وعد لجميع الامة فی ملک الارض كلها تحت كلمة الاسلام؛ كما قال عليه السلام: زُوِّيَت لِیَ الارضُ فرأيت مشارقَها و مغاربَها و سيبلُغ مُلكُ امتی ماذُوِّیَ لی منها.** (۴۵) ’’ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ وعدہ تمام امت کے ساتھ ہے اور ساری روئے زمین کے کلمۂ اسلام کے تحت آ جانے کے بارے میں ہے۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میرے لیے زمین کو سمیٹ لیا گیا، میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا۔میری امت کی حکومت ان تمام حدود تک پہنچ جائے گی جو مجھے سمیٹ کر دکھایا گیا ہے‘‘۔

اسی قول کو امام المفسرین علامہ ابن عطیہ الغرناطیؒ نے اپنی تفسیر المحرر الوجیز میں ترجیح دی ہے۔وہ کہتے ہیں:

**والصحيحُ فی الأية انها فی استخلاف الجمهور، واستخلافُهم هو ان يُّمَلِّكَهُمُ البلادَ ويجعلَهم اهلَها كالذی جرٰی فی الشام، والعراق، وخراسان، والمغرب.** (۴۶) آیت کے بارے میں درست تاویل یہی ہے کہ یہ عام لوگوں کے استخلاف کے بارے میں ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین کی ملکیت عطا فرمائے گا اور انھیں اس کا مالک بنائے گا۔جیسا کہ شام، عراق، خراسان اور مراکش وغیرہ میں ہوا۔

علامہ قرطبیؒ، ابن عربی کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

**هٰذه الحال لم تُختَصَّ بالخلفاء الاربعة رضی الله عنهم حتّٰی يُخَصُّوا بها من عموم الآية، بل شاركهم فی ذٰلک جميع المهاجرين بل وغيرهم.** (۴۷) یہ حالت

خلفائے اربعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ ان کو عموم آیت کے باوجود اس حکم کے ساتھ خاص سمجھا جائے، اس میں ان کے ساتھ تمام مہاجرین ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ لوگ بھی شامل ہیں۔

وہ آگے مزید فرماتے ہیں:

**فصح ان الآیة عامة لامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مخصوصة لان التخصیص لایکون الا بخبر ممن یجب له التسلیم، ومن الاصل المعلوم التمسک بالعموم.** (۴۸) چناں چہ درست یہی ہے کہ یہ آیت تمام امت محمدیہ کے لیے عام ہے نہ کہ کسی کے ساتھ مخصوص، کیوں کہ تخصیص تو کسی ایسے شخص کی خبر کے ساتھ معتبر ہوتی ہے جس کی بات واجب التسلیم ہو۔ اور یہ اصول سب کو معلوم ہے کہ [جہاں تخصیص ثابت نہ ہو وہاں] عموم پر عمل کیا جاتا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

**ھٰذا وعد من اللہ تعالیٰ لرسولہٖ صلوات اللہ وسلامه علیه بانه سیجعل امته خلفاء الارض، ای ائمة الناس والولاة علیھم، وبھم تصلح البلاد وتخضع لھم العباد، وقد فعلهٗ تبارک وتعالیٰ وله الحمد والمنة.** (۴۹) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس بات کا وعدہ ہے کہ وہ آپؐ کی امت کو زمین کے خلفا، لوگوں کے ائمہ اور ان کے اوپر والی بنائے گا۔ انھی کے ذریعے ملکوں اور شہروں کا بھلا ہوگا اور لوگ ان کے فرماں بردار بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام اس نے کر دکھایا، اس پر اللہ کی حمد ہے۔

علامہ سعدیؒ فرماتے ہیں:

**ھٰذا من وعودہ الصادقة التی شوھد تأویلھا ومخبرھا فانه وعد من قام بالایمان والعمل الصالح من ھذہ الامة ان یستخلفھم فی الارض فیکونون ھم الخلفاء فیھا المتصرفین فی تدبیرھا.** (۵۰) یہ اللہ تعالیٰ کے ان سچے وعدوں میں سے ایک وعدہ ہے جس کی تعبیر اور احوال دنیا نے دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو ایمان اور عمل صالح پر عمل پیرا ہوں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ یہ زمین کے خلفا اور اس کی تدبیر و انتظام کے ذمہ دار بنیں گے۔

سید قطب شہیدؒ کہتے ہیں:

''اللہ کا یہ وعدہ اب بھی ہر گروہ مومن کے لیے قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔ کسی بھی وقت

جب گروہِ مومن اللہ کا خلیفہ نہیں ہوتا اور امن سے نہیں ہوتا تو وہ اس لیے کہ وہ اس وعدے اور اس پیمان کی وسیع تر شرائط کو پورا نہیں کرتا۔ لیکن جب امت آزمایش میں کامیاب ہو جاتی ہے اور امتحان پاس کر لیتی ہے یا خوف میں مبتلا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے امن طلب کرتی ہے۔ وہ ذلیل ہوتی ہے تو اللہ سے عزت طلب کرتی ہے۔ وہ پسماندہ رہ جاتی ہے تو خلافت فی الارض کی طلب گار ہوتی ہے۔ یہ کام وہ ان وسائل سے کرتی ہے جو اللہ نے تجویز کیے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ کرتی ہے جو اللہ نے مقرر کی ہیں تو پھر اس وقت اللہ کا وہ وعدہ متحقق ہوتا ہے جو اٹل ہوتا ہے۔ پھر امت مسلمہ کی راہ میں دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وعدے کے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔ اور مومن اور رسول اللہ ان کفار سے ہرگز مرعوب نہ ہوں، جو اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں''۔(۵۱)

مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ فرماتے ہیں:

''منکم میں خطاب نوع انسانی سے ہے۔ یعنی تم انسانوں میں جو طبقہ بھی ایمان و مقتضیات ایمان پر عمل کرے گا، یہ استخلاف یا حکومت ارضی اسی ایمان و عمل صالح کی برکت سے حاصل ہوگی''۔(۵۲)

## خلافتِ موعود کی حیثیت

''[خلافت کا] یہ اقتدار اقتدار اعلیٰ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے کرتے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں اس قسم کا اقتدار دیتا رہا ہے تاکہ اس کرۂ ارض پر اللہ کی منشا کو پورا کریں اور اللہ کی منشا کیا ہے؟ یہ کہ وہ انسانیت کو کمال انسانیت تک پہنچائیں۔ جس کمال تک پہنچنا اللہ نے یوم تخلیق ہی سے اس کے لیے مقدر کر دیا تھا۔ مگر وہ لوگ جو زمین میں اقتدار پر آتے ہیں اور اس کی وجہ سے فساد پھیلاتے ہیں، زمین میں سرکشی اور ظلم کو رائج کرتے ہیں اور انسانیت کو حیوانیت کے درجے تک گراتے ہیں تو یہ لوگ اللہ کی طرف سے اس زمین پر خلفا نہیں ہیں بلکہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں۔ ان کو یہ مقام بطورِ آزمایش دیا گیا ہے اور لوگوں پر ان کو بطورِ سزا مسلط کیا گیا ہے۔'' (۵۳)

## خلیفۃ اللہ کون؟

اللہ کا خلیفہ وہ نہیں ہے جو دنیا میں فساد اور تخریب کا کام کرے بلکہ وہ ہوتا ہے جو اس دنیا کی اصلاح، تعمیر اور ترقی میں حصہ لے اور دنیا کو انصاف اور عدل دے۔ یہ نہ ہو کہ وہ انسانوں پر ظلم کرے اور انسانیت کے معیار کو بلند کرنے کے بجائے گرائے۔ وہ انسانوں کے اندر پائے جانے والے نظام کی اصلاح کرنے کے بجائے ظلم کرے۔ وہ یہ نہ کرے کہ اچھے انسانوں کو مقام حیوانیت تک گرائے بلکہ جو انسان حیوانیت تک گر گئے ان کو اٹھائے۔(۵۴)

مولانا مودودیؒ سورۂ انبیاء آیت ۱۰۵ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت کا مطلب سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اس سے ایک ایسا مطلب نکال لیا ہے جو پورے قرآن کی تردید اور پورے نظامِ دین کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ وہ آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ زندگی میں زمین کی وراثت (یعنی حکومت وفرماں روائی اور زمین کے وسائل پر تصرف) صرف صالحین کو ملا کرتی ہے، اور انھی کو اللہ تعالیٰ اس نعمت سے نوازتا ہے۔ پھر اس قاعدہ کلیہ سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صالح اور غیر صالح کے فرق وامتیاز کا معیار یہی وراثت زمین ہے۔ جس کو یہ وراثت ملے وہ صالح ہے اور جس کو نہ ملے وہ غیر صالح۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ کر ان قوموں پر نگاہ ڈالتے ہیں جو دنیا میں پہلے وارث زمین رہی ہیں اور آج اس وراثت کی مالک بنی ہوئی ہیں۔ یہاں وہ دیکھتے ہیں کہ کافر، مشرک، دہریے، فاسق، فاجر، سب یہ وراثت پہلے بھی پاتے رہے ہیں اور آج بھی پا رہے ہیں۔ جن قوموں میں وہ تمام اوصاف پائے گئے ہیں اور آج پائے جاتے ہیں جنھیں قرآن صاف الفاظ میں کفر، فسق، فجور، معصیت اور بدی سے تعبیر کرتا ہے، وہ اس وراثت سے محروم نہیں ہوئیں بلکہ نوازی گئیں اور آج بھی نوازی جا رہی ہیں۔ فرعون ونمرود سے لے کر اس زمانے کے کمیونسٹ فرماں رواؤں تک کتنے ہی ہیں جو کھلم کھلا خدا کے منکر، مخالف، بلکہ مدمقابل بنے ہیں اور پھر بھی وارث زمین ہوئے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قرآن کا بیان کردہ قاعدہ کلیہ تو غلط نہیں ہوسکتا، اب لامحالہ غلطی جو کچھ ہے وہ 'صالح' کے اس مفہوم میں ہے جو اَب تک مسلمان سمجھتے رہے ہیں۔ چناں چہ وہ 'صلاح' کا ایک نیا تصور تلاش کرتے ہیں جس کے مطابق زمین کے وارث بننے والے سب لوگ یکساں 'صالح' قرار پاسکیں، قطع نظر اس سے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ، اور عمر فاروقؓ ہوں یا چنگیز اور ہلاکو۔(۵۵)

استخلاف فی الارض یا زمین کے اقتدار اعلیٰ کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو حکومت، اقتدار اور آرڈر نافذ کرنے کے اختیارات مل جائیں بلکہ اللہ کا خلیفہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان قوتوں کو کوئی اصلاح، تعمیر اور ترقی کے لیے استعمال کرے۔ اس کے ذریعے اس نظام زندگی کی راہ ہموار کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے تاکہ تمام انسانیت اس راہ پر چل نکلے اور انسان اس کرۂ ارض پر وہ کمال حاصل کرے جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکرم ہوا ہے۔(۵۶)

## وعدۂ استخلاف کے تقاضے

اللہ نے مسلمانوں کو خلافت عطا فرمانے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے مخاطب محض مردم شماری کے مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ

مسلمان ہیں جو صادق الایمان ہوں، اخلاق و اعمال کے اعتبار سے صالح ہوں، اللہ کے پسندیدہ دین کا اتباع کرنے والے ہوں، اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو کر خالص اللہ کی بندگی وغلامی کے پابند ہوں۔ان صفات سے عاری اور محض زبان سے ایمان کے مدعی لوگ نہ اس وعدے کے اہل ہیں اور نہ یہ ان سے کیا ہی گیا ہے۔لہٰذا وہ اس میں حصہ دار ہونے کی توقع نہ رکھیں۔(۵۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولیمکنن لھم دینھم یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دین کو ضرور بالضرور تمکین عطا کرے گا۔''دین متمکن تب ہوسکتا ہے کہ جب یہ مؤمنین کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ جب ان کی زندگی کے ہر عمل میں وہ مضبوطی سے نافذ ہوجائے۔ جب ان کی زندگیوں میں اور ان کے قلوب میں ایمان اچھی طرح بیٹھ جائے گا تو انھیں استخلاف فی الارض نصیب ہوگا''۔(۵۸)

''ان آیات میں اللہ نے جو وعدہ کیا ہے جو لوگ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ عظیم ایمانی حقیقت اپنے اندر پیدا کرلیں۔تاریخ انسانی میں اس وعدے کی ایک تعبیر تو ضروری ہے۔شرط یہ ہے کہ جو شخص اس کی تعبیر چاہتا ہے، وہ اس وعدے کی شرائط پر عمل پیرا ہو۔جب بھی ان شرائط کو مکمل کیا جائے گا، بغیر کسی شک، بغیر کس دیر کے یہ وعدہ پورا کیا جائے گا''۔(۵۹)

اس امامت وخلافت کے لیے جن صفات سے متصف ہونا اور جن شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے ان میں علمی اور عملی سرمائے کے علاوہ کچھ اخلاقی اوصاف کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔کسی کو زمین کا اقتدار دینے کی اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اس پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں امامت وقیادت جب کسی گروہ اور قوم سے لی جاتی ہے اور کسی کو دی جاتی ہے تو اس میں کن کن اخلاقی صفات کا دخل ہوتا ہے۔اس پہلو سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقیات کے دو بڑے شعبے ہیں۔ایک بنیادی انسانی اخلاقیات اور ایک اسلامی اخلاقیات۔

''بنیادی انسانی اخلاقیات سے مراد وہ اوصاف ہیں جن پر انسان کے اخلاقی وجود کی اساس قائم ہے۔ان میں وہ تمام صفات شامل ہیں جو دنیا میں انسان کی کامیابی کے لیے بہر حال شرط لازم ہیں خواہ وہ صحیح مقصد کے لیے کام کر رہا ہو یا غلط مقصد کے لیے''۔(۶۰) جیسے: قوت ارادی، عزم وحوصلہ، صبر وثبات، استقلال، تحمل وبرداشت، ہمت وشجاعت، مستعدی اور جفاکشی، مقصد کا عشق، حزم واحتیاط، معاملہ فہمی وتدبر، جذبات وخواہشات اور ہیجانات پر قابو، دلوں کو فتح کرنے کا فن۔اسی طرح وہ شریفانہ خصائل جو فی الحقیقت جوہر آدمیت ہیں۔جیسے: خودداری، فیاضی، رحم، ہمدردی، انصاف، وسعت قلب ونظر، سچائی، امانت، راست بازی، پاس عہد، معقولیت، اعتدال، شائستگی، طہارت ونظافت، ذہن ونفس کا انضباط وغیرہ۔

اسلامی اخلاقیات: ''یہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی کی تصحیح اور تکمیل ہے۔اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ بنیادی انسانی اخلاقیات کو ایک صحیح مرکز ومحور مہیا کر دیتا ہے جس سے وابستہ ہو کر وہ سراپا خیر بن جاتا

ہے'۔(۶۱) ''دوسرا کام...یہ ہے کہ وہ بنیادی انسانی اخلاقیات کو مستحکم بھی کرتا ہے اور پھر ان کے اطلاق کو انتہائی حدود تک وسیع بھی کرتا ہے''۔ (۶۲) 'اسلام کا تیسرا کام یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاقیات کی ابتدائی منزل پر اخلاق فاضلہ کی ایک نہایت شان دار منزل تعمیر کرتا ہے جس کی بدولت انسان اپنے شرف کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے'۔(۶۳) جس چیز کو ہم اسلامی اخلاقیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث کی رو سے دراصل چار مراتب پر مشتمل ہے۔ ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان۔ یہ چاروں مراتب یکے بعد دیگرے اس فطری ترتیب پر واقع ہیں کہ ہر بعد کا مرتبہ پہلے مرتبے سے پیدا اور لازماً اسی پر قائم ہوتا ہے اور جب تک نیچے والی منزل پختہ ومحکم نہ ہو جائے دوسری منزل کی تعمیر کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔(۶۴)

''اگر دنیا میں کوئی منظّم انسانی گروہ ایسا موجود نہ ہو جو اسلامی اخلاقیات اور بنیادی انسانی اخلاقیات دونوں سے آراستہ ہو اور پھر مادی اسباب ووسائل بھی استعمال کرے تو دنیا کی امامت وقیادت لازماً کسی ایسے گروہ کے قبضے میں دے دی جاتی ہے جو اسلامی اخلاقیات سے چاہے بالکل ہی عاری ہو لیکن بنیادی انسانی اخلاقیات اور مادی اسباب ووسائل کے اعتبار سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بہرحال اپنی دنیا کا انتظام چاہتا ہے۔ اور یہ انتظام اسی گروہ کے سپرد کیا جاتا ہے جو موجود الوقت گروہوں میں اہل تر ہو'۔(۶۵)

## خلاصۂ بحث

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔ اس خلافت کے لیے انسانوں میں چند صفات کا ہونا ضروری ہے جن میں سب سے اہم صفت علم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اخلاقی صفات بھی خلافت کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ جن میں سے ایک بنیادی اخلاقیات ہیں اور دوسرے اسلامی اخلاقیات۔ اگر یہ دونوں قسم کی صفات کسی گروہ میں موجود ہوں تو اللہ کی سنت کے لحاظ سے وہی اس اقتدار کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس گروہ سے زمین کی خلافت کا وعدہ کیا ہے جو اپنے اندر مذکورہ صفات پیدا کریں۔ بصورتِ دیگر حکومت واقتدار کا یہ عہدہ اس قوم کے بجائے کسی ایسی قوم کو دیا جاتا ہے جو خلافت کے لیے درکار تمام نہ سہی ان میں سے اکثر صفات سے متصف ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں خلافت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ کسی خاص دور یا کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں جو بھی گروہ اپنے اندر مذکورہ صفات پیدا کرے وہ خلافت کا مستحق بنتا ہے اور اس وعدے کی رو سے اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ آیت استخلاف خلفائے اربعہ کی خلافت کی ایک صریح دلیل ہے۔

اس ساری بحث کا اگر ہم ایک ہی جملے میں نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں تو وہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انھیں زمین میں غلبہ واقتدار ضرور عطا کرے گا مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ امت اپنے آپ کو اس وعدے کا اہل ثابت کرے۔ چناں چہ جب امت اپنے آپ کو اس وعدے کا اہل ثابت کرے گی، اس کو زمین میں ایک مقتدر قوت ثابت ہونے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

## مراجع وحواشی


۱۔ سورۃ البقرۃ۲:۳۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ سورۃ البقرۃ۲:۳۱-۳۲ ۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً ۷۔ سورۃ الفاطر۳۵:۲۸ ۸۔ لسان العرب ۹۔ ایضاً ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً ۱۳۔ ایضاً ۱۴۔ سورۃ الاعراف۷:۱۴۲ ۱۵۔ لسان العرب ۱۶- سورۃ صٓ۳۸:۲۶

۱۷- مودودی، سیدابوالاعلیٰ (۱۹۸۴)، تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ص۵ ۱۸- ایضاً، ص۶

۱۹- سورۃ النور۲۴:۵۵ ۲۰۔ الزحیلی، وہبۃ (۱۹۹۱)، التفسیر المنیر، ج۱۸، بیروت: دارالفکر المعاصر، ص۲۸۱ ۲۲۔ ایضاً

۲۲۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر (۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۳ء)، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۲، ریاض: دارعالم الکتب، ص ۲۹۹

۲۳۔ ابن کثیر، حافظ عمادالدین (۲۰۰۰)، تفسیر القرآن العظیم، ج۱، ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ص۹۶۹

۲۴۔ الزحیلی، محولہ بالا، ص۲۸۲ ۲۵۔ ایضاً ۲۶۔ ایضاً، ص۲۸۶-۲۸۷

۲۷۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی (۱۴۰۵ھ)، احکام القرآن، ج۵، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ص۱۹۱

۲۸۔ نسفی، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد (۱۹۹۸)، تفسیر القرآن الجلیل المسمّیٰ بمدارک التنزیل وحقائق التأویل، ج ۲، بیروت: دارالکلم الطیب، ص۵۱۷ ۲۹۔ ابن کثیر، محولہ بالا ۳۰۔ سورۃ القصص۲۸:۵-۶

۳۳۔ سورۃ الاعراف۷:۱۲۹ ۳۲۔ سورۃ الانفال۸:۲۶ ۳۳۔ سورۃ الانعام۶:۱۶۵ ۳۴۔ سورۃ یونس۱۰:۱۴

۳۵۔ سورۃ النمل۲۷:۶۲ ۳۶۔ متفق علیہ، بحوالہ: ابن کثیر، محولہ بالا ۳۷۔ ایضاً ۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً ۴۰۔ ایضاً ۴۱۔ قرطبی، محولہ بالا ۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، مسند الشامیین، ۱۶۳۴۴ ۴۴۔ قرطبی، محولہ بالا ۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً ۴۷۔ ایضاً ۴۸۔ ایضاً ۴۹۔ ابن کثیر، محولہ بالا

۵۰۔ السعدی، عبدالرحمٰن بن ناصر (۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان المعروف بتفسیر السعدی، ص۵۷۳

۵۱۔ قطب، سید (۱۹۹۶)، فی ظلال القرآن، ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی، ج ۴، لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ص ۹۳۶

۵۲۔ دریاآبادی، مولانا عبدالماجد (س۔ن)، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، سورۃ النور، آیت ۵۵

۵۳۔ قطب، سید، محولہ بالا، ص۹۳۴-۹۳۵ ۵۴۔ ایضاً، ص۹۳۴

۵۵۔ مودودی، سیدابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج۳، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ص۱۸۹ ۵۶۔ قطب، سید، محولہ بالا، ص۹۳۴

۵۷۔ مودودی، سیدابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، محولہ بالا، ص۴۱۷ ۵۸۔ قطب، سید، محولہ بالا، ص۹۳۵ ۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ مودودی، سیدابوالاعلیٰ (۱۹۸۴)، محولہ بالا، ص۱۷ ۶۱۔ ایضاً، ص۲۱ ۶۲۔ ایضاً، ص۲۲

۶۳۔ ایضاً، ص۲۴ ۶۴۔ ایضاً، ص۲۴ ۶۵۔ ایضاً، ص۲۵-۲۶